

جنگ کے حالات جس تیزی سے شدت اختیار کر رہے ہیں اور اسرائیل کی حکومت اور بڑی طاقتیں جس پالیسی پر عمل کرتی نظر آرہی ہیں اس سے تو عالمی جنگ اب سامنے کھڑی نظر آرہی ہے

آپ کا جانا اور اپنی بیٹی اور داماد کو ترغیب دینا کہ وہ تہجد بھی ادا کیا کریں اس کامل یقین پر دلالت کرتا ہے جو آپ کو اس تعلیم پر تھا جس پر آپ لوگوں کو چلانا چاہتے تھے

آنحضرتؐ ہر ایک بات کے سمجھانے کے لئے تحمل سے کام لیا کرتے تھے اور بجائے لڑنے کے محبت اور پیار سے کسی کو اس کی غلطی پر آگاہ فرماتے تھے

راتوں کی دعائیں ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل کو زیادہ کھینچتی ہیں اور آج کل تو دنیا کو تباہی سے بچانے کے لیے ان کی خاص طور پر ضرورت ہے

یہود کے تینوں قبائل میں سے جنہوں نے

سب سے پہلے معاہدے کی خلاف ورزی اور غداری کی وہ بنو قینقاع کے یہودی تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے بجائے سمجھنے کے کھلی دھمکی دینی شروع کر دی

اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سیاسی راہنما بھی تھے لیکن دشمنوں کے ساتھ بے جا سختی کا معاملہ کبھی نہیں کرتے تھے۔ آپ تشدد کو ناپسند کرتے تھے اور میدان جنگ میں بھی اگر جاتے تو بوجہ مجبوری جاتے تھے اور وہاں بھی خواہ مخواہ خونریزی سے پرہیز کرتے تھے

”اس معاہدہ کے بعد جو یہود کے ساتھ ہوا تھا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر یہود کی دلداری کا خیال رکھتے تھے۔“

احمدیوں کو دعاؤں کی طرف خاص توجہ دینی چاہیے۔ relax نہ ہو جائیں۔ کم از کم ہر
نماز میں ایک سجدہ یا کم از کم کسی ایک نماز میں ایک سجدہ تو ضرور اس کے لیے ادا کرنا
چاہیے۔ اس میں دعا کرنی چاہیے

حالات خطرناک ہیں اور خطرناک تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر فوری حکمت والی پالیسی
اختیار نہ کی گئی تو دنیا کی تباہی ہے

انصاف تو یہ ہے کہ سب صورتحال سامنے رکھی جائے پھر دنیا کو اپنا فیصلہ کرنے دیں کہ کون
ظالم ہے، کون مظلوم ہے اور کس حد تک یہ جنگ جائز ہے اور کہاں جا کے یہ ختم ہونی چاہیے

مسلمانوں کی مشکلات دور ہونے کے لیے ہمیں خاص درد رکھنا چاہیے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا ہے کہ ہم مسلمانوں کے لیے بہت دعا کریں

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے بعض پہلوؤں کا بیان،

غزوہ بنو قینقاع کی تفصیلات نیز اسرائیل حماس جنگ کے پیش نظر دعا کی مکرر تحریک

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرمودہ 27/اکتوبر 2023ء بمطابق 27/اخیاء 1402 ہجری شمسی

بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یو کے

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢﴾ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿٣﴾ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٤﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٥﴾
 إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٦﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿٧﴾ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٨﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت

کا ذکر ہو رہا تھا۔ روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

اپنی بیٹی اور داماد کو تہجد کی نماز کی طرف توجہ

دلانے کے واقعہ کا بخاری میں یوں ذکر ہے۔ حضرت علی بن ابوطالبؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات ان کے اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا تم دونوں نماز نہیں پڑھتے؟ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ جب وہ چاہے کہ ہمیں اٹھائے تو ہمیں اٹھاتا ہے۔ تہجد کی نماز کا ذکر ہو رہا ہے۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور واپس تشریف لے گئے۔ پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا جبکہ آپ واپس جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے فرما رہے تھے کہ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (الکہف: 55) کہ انسان سب سے بڑھ کر بحث کرنے والا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب التہجد باب تحریض النبی ﷺ علی قیام اللیل والنوافل... حدیث نمبر ۱۱۳)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے کہ ”ایک دفعہ آپ رات اپنے داماد حضرت علیؓ اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے اور فرمایا کیا تہجد پڑھا کرتے ہو؟ (یعنی وہ نماز جو آدھی رات کے قریب اٹھ کر پڑھی جاتی ہے) حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! پڑھنے کی کوشش تو کرتے ہیں مگر جب خدا تعالیٰ کی منشاء کے ماتحت کسی وقت ہماری آنکھ بند رہتی ہے تو پھر تہجد رہ جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا تہجد پڑھا کرو اور اٹھ کر اپنے گھر کی طرف چل پڑے اور راستہ میں بار بار کہتے جاتے تھے وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (الکہف: 55) یہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اکثر اپنی غلطی تسلیم کرنے سے گھبراتا ہے اور مختلف قسم کی دلیلیں دے کر اپنے قصور پر پردہ ڈالتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ بجائے اس کے کہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ یہ کہتے کہ ہم سے کبھی کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے انہوں نے یہ کیوں کہا کہ جب خدا تعالیٰ کا منشاء ہوتا ہے کہ ہم نہ جاگیں تو ہم

سوئے رہتے ہیں اور اپنی غلطی کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا۔“

(دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد 20 صفحہ 389-390)

اس بات کو مزید کھول کر بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؑ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ”حضرت علیؑ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک موقع پر جبکہ حضرت علیؑ نے آپ کو ایسا جواب دیا جس میں بحث اور مقابلہ کا طرز پایا جاتا تھا تو بجائے اس کے کہ آپ ناراض ہوتے یا خفگی کا اظہار کرتے آپ نے ایک ایسی لطیف طرز اختیار کی کہ حضرت علیؑ غالباً اپنی زندگی کے آخری ایام تک اس کی حلاوت سے مزہ اٹھاتے رہے ہوں گے اور انہوں نے جو لطف اٹھایا ہو گا وہ تو انہی کا حق تھا۔ اب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اظہار ناپسندیدگی کو معلوم کر کے ہر ایک باریک بین نظر محو حیرت ہو جاتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میرے اور فاطمۃ الزہراءؑ کے پاس تشریف لائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور فرمایا کہ کیا تم تہجد کی نماز نہیں پڑھا کرتے؟ میں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! ہماری جانیں تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ جب وہ اٹھنا چاہے اٹھا دیتا ہے۔ آپ اس بات کو سن کر لوٹ گئے اور مجھے کچھ نہیں کہا۔ پھر میں نے آپ سے سنا اور آپ پیٹھ پھیر کر کھڑے ہوئے تھے اور آپ اپنی ران پر ہاتھ مار کر کہہ رہے ہیں کہ انسان تو اکثر باتوں میں بحث کرنے لگ پڑتا ہے۔

اللہ! اللہ! کس لطیف طرز سے حضرت علیؑ کو آپ نے سمجھایا کہ آپ کو یہ جواب نہیں دینا چاہئے تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اول تو بحث شروع کر دیتا کہ میری پوزیشن اور رتبہ کو دیکھو پھر اپنے جواب کو دیکھو کہ کیا تمہیں یہ حق پہنچتا تھا کہ اس طرح میری بات کو رد کر دو۔ یہ نہیں تو کم سے کم بحث شروع کر دیتا کہ یہ تمہارا دعویٰ غلط ہے کہ انسان مجبور ہے اور اس کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ وہ جس طرح چاہے کروا تا ہے چاہے نماز کی توفیق دے چاہے نہ دے اور کہتا کہ جبر کا مسئلہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ کہہ سکتے تھے ”لیکن آپ نے ان دونوں طریق میں سے کوئی بھی اختیار نہ کیا اور نہ تو ان پر ناراض ہوئے، نہ بحث کر کے حضرت علیؑ کو ان کے قول کی غلطی پر آگاہ کیا بلکہ ایک طرف ہو کر ان کے اس جواب پر اس طرح اظہار حیرت کر دیا کہ انسان بھی عجیب ہے کہ ہر بات میں کوئی نہ کوئی پہلو اپنے موافق نکال ہی لیتا ہے اور بحث شروع کر دیتا ہے۔

حقیقت میں آپ کا اتنا کہہ دینا ایسے ایسے منافع اندر رکھتا تھا کہ جس کا عشرِ عشر بھی کسی اور کی سوجھوٹوں سے نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس حدیث سے ہمیں بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ”آگے تجزیہ کیا ہے آپ نے کہ کیا کیا باتیں معلوم ہوتی ہیں“ جن سے آنحضرتؐ کے اخلاق کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور اسی جگہ ان کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اول تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ

آپ کو دینداری کا کس قدر خیال تھا کہ

رات کے وقت پھر کر اپنے قریبیوں کا خیال رکھتے تھے۔

بہت لوگ ہوتے ہیں جو خود تو نیک ہوتے ہیں۔ لوگوں کو بھی نیکی کی تعلیم دیتے ہیں لیکن ان کے گھر کا حال خراب ہوتا ہے اور ان میں یہ مادہ نہیں ہوتا کہ اپنے گھر کے لوگوں کی بھی اصلاح کریں اور انہی لوگوں کی نسبت مثل مشہور ہے کہ چراغ تلے اندھیرا۔ یعنی جس طرح چراغ اپنے آس پاس تمام اشیاء کو روشن کر دیتا ہے لیکن خود اس کے نیچے اندھیرا ہوتا ہے اسی طرح یہ لوگ دوسروں کو تو نصیحت کرتے پھرتے ہیں مگر اپنے گھر کی فکر نہیں کرتے کہ ہماری روشنی سے ہمارے اپنے گھر کے لوگ کیا فائدہ اٹھا رہے ہیں مگر آنحضرتؐ کو اس بات کا خیال معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عزیز بھی اس نور سے منور ہوں جس سے وہ دنیا کو روشن کرنا چاہتے تھے اور اس کا آپؐ تہجد بھی کرتے تھے اور ان کے امتحان و تجربہ میں لگے رہتے تھے اور تربیتِ اعزّاء ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا جوہر ہے جو اگر آپؐ میں نہ ہوتا تو آپؐ کے اخلاق میں ایک قیمتی چیز کی کمی رہ جاتی، لیکن آپؐ کیونکہ اعلیٰ اخلاق پر قائم تھے اس لیے یہ جوہر بھی آپؐ میں خوب تھا۔

”دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ

آپ کو اس تعلیم پر کامل یقین تھا جو آپؐ دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے اور ایک منٹ

کے لئے بھی آپؐ اس پر شک نہیں کرتے تھے

اور جیسا کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ دنیا کو اُلُو بنانے کے لئے اور اپنی حکومت جمانے کے لئے آپؐ نے یہ سب کارخانہ بنایا تھا۔ ”مخالفین اسلام یہی اعتراض کرتے ہیں ”ورنہ آپؐ کو کوئی وحی نہیں آتی تھی۔“ کئی اور سنٹلسٹ (orientalist) اس طرح ہی لکھتے رہتے ہیں اور اُس وقت کافر

بھی یہی کہا کرتے تھے۔ ”یہ بات نہ تھی بلکہ آپ کو اپنے رسول اور خدا کے مامور ہونے پر ایسا نکل قلب عطا تھا“ اتنا پکا یقین تھا ”کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ لوگوں میں آپ بناوٹ سے کام لے کر اپنی سچائی کو ثابت کرتے ہوں لیکن یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ رات کے وقت ایک شخص خاص طور پر اپنی بیٹی اور داماد کے پاس جائے اور ان سے دریافت کرے کہ کیا وہ اس عبادت کو بھی بجالاتے ہیں جو اس نے فرض نہیں کی بلکہ اس کا ادا کرنا مومنوں کے اپنے حالات پر چھوڑ دیا ہے اور جو آدھی رات کے وقت اٹھ کر ادا کی جاتی ہے۔ اس وقت

آپ کا جانا اور اپنی بیٹی اور داماد کو ترغیب دینا کہ وہ تہجد بھی ادا کیا کریں اس کا مل یقین پر دلالت کرتا ہے جو آپ کو اس تعلیم پر تھا جس پر آپ لوگوں کو چلانا چاہتے تھے ورنہ ایک مفتری انسان جو جانتا ہو کہ ایک تعلیم پر چلنا نہ چلنا ایک سا ہے اپنی اولاد کو ایسے پوشیدہ وقت میں اس تعلیم پر عمل کرنے کی نصیحت نہیں کر سکتا۔“ چلنا یا نہ چلنا ایک جیسا ہے۔ اپنی تعلیم پر چلنے کی اپنی اولاد کو نصیحت نہیں کر سکتا۔ ”یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک آدمی کے دل میں یقین ہو کہ اس تعلیم پر چلے بغیر کمالات حاصل نہیں ہو سکتے۔

تیسری بات وہی ہے جس کے ثابت کرنے کے لئے میں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ

آنحضرتؐ ہر ایک بات کے سمجھانے کے لئے تحمل سے کام لیا کرتے تھے اور بجائے

لڑنے کے محبت اور پیار سے کسی کو اس کی غلطی پر آگاہ فرماتے تھے

چنانچہ اس موقع پر جب حضرت علیؓ نے آپ کے سوال کو اس طرح رد کرنا چاہا کہ جب ہم سو جائیں تو ہمارا کیا اختیار ہے کہ ہم جاگیں کیونکہ سویا ہوا انسان اپنے آپ پر قابو نہیں رکھتا۔ جب وہ سو گیا تو اب اسے کیا خبر ہے کہ فلاں وقت آ گیا ہے اب میں فلاں کام کر لوں۔ اللہ تعالیٰ آنکھ کھول دے تو نماز ادا کر لیتے ہیں ورنہ مجبوری ہوتی ہے (کیونکہ اس وقت الارم کی گھڑیاں نہ تھیں) اس بات کو سن کر آنحضرتؐ کو حیرت ہوئی ہی تھی کیونکہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جو ایمان تھا وہ کبھی آپ کو ایسا غافل نہ ہونے دیتا تھا

کہ

تہجد کا وقت گزر جائے اور آپ کو خبر نہ ہو

اس لئے آپ نے دوسری طرف منہ کر کے صرف یہ کہہ دیا کہ انسان بات مانتا نہیں جھگڑتا ہے۔ یعنی تم کو آئندہ کے لئے کوشش کرنی چاہئے تھی کہ وقت ضائع نہ ہو نہ کہ اس طرح ٹالنا چاہئے تھا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں میں نے پھر کبھی تہجد میں ناغہ نہیں کیا۔“

(سیرۃ النبیؐ، انوار العلوم جلد 1 صفحہ 588 تا 590)

پس

یہ واقعہ ہمیں تہجد پڑھنے کی طرف توجہ دلانے کے لیے یاد رکھنا چاہیے۔ اور خاص طور پر مریبان اور واقفین زندگی اور عہدیداران کو اس طرف خاص توجہ دینی چاہیے۔ راتوں کی دعائیں ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل کو زیادہ کھینچتی ہیں اور آج کل تو دنیا کو تباہی سے بچانے کے لیے ان کی خاص طور پر ضرورت ہے۔

پھر واقعات میں

غزوة بنو قینقاع کا ذکر

آتا ہے جو دو ہجری میں ہوئی۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد عرب کے کفار کا معاملہ ایک جیسا نہ رہا۔ وہ تین قسموں میں بٹ چکے تھے۔ ایک وہ تھے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پہ صلح کر لی تھی کہ وہ نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔ یہ معاہدہ کرنے والے یہود کے تینوں قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع تھے۔ دوسرے وہ تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی اور وہ قریش تھے۔ تیسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انجام کے منتظر تھے جیسے عرب کے دیگر قبائل۔ ان کی صورت حال بھی ایک جیسی نہیں تھی۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو دل ہی دل میں یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے جیسے قبیلہ بنو خزاعہ تھا۔ بعض لوگوں کا معاملہ اس

کے برعکس تھا جیسے بنو بکر کے لوگ تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو ظاہر طور پر مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن اندر خانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ساتھ دیتے تھے۔ یہ منافقین تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب یہود سے معاہدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مابین معاہدہ لکھا گیا۔ ہر قوم اپنے حلیف کے ساتھ مل گئی۔ اب آپ نے اپنے اور ان کے مابین امان نامہ لکھا۔ ان پر بہت سی شرائط عائد کیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۲ صفحہ ۱۰۹، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۳ء)

یہ تو معاہدہ تھا۔ اب

بنو قینقاع کی جو فتنہ انگیزی تھی اس کے بارے میں

تاریخ میں جو حوالے آتے ہیں اس میں ابن اسحاق کہتے ہیں کہ شاس بن قیس نامی ایک بوڑھا شخص جس کا دل مسلمانوں کے بارے میں کینہ اور حسد سے بھرا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ اوس اور خزرج سے تعلق رکھنے والے کچھ صحابہ ایک مجلس میں اکٹھے بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ شاس بن قیس کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے جب انہیں زمانہ جاہلیت کی دشمنی بھلا کر اسلام کی بدولت آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے اور صلح صفائی کے ساتھ مل جل کر بیٹھتے دیکھا تو وہ جل کر رہ گیا۔ بَنُو قَيْنِقَلَه یعنی اوس اور خزرج کے سردار اس شہر میں متحد ہو چکے تھے۔ اس نے بے ساختہ بنو قیلہ، اوس اور خزرج کے ان سرداروں کو کہا جو متحد ہو گئے تھے کہ اللہ کی قسم! جب ان کے معزز لوگ متحد ہو گئے تو ہمارے لیے یہاں ان کے ساتھ رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ بھڑکانے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ایک یہودی نوجوان تھا۔ اس نے اسے یہ حکم دیا کہ تم ان کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ پھر ان کے سامنے جنگ بُعَاث اور اس سے پہلے کے واقعات کا ذکر چھیڑو اور اس کے متعلق انہوں نے آپس میں جو اشعار کہے تھے ان میں سے بھی کچھ شعر سناؤ۔ جنگ بُعَاث زمانہ جاہلیت میں اوس اور خزرج کے درمیان برپا ہوئی تھی جس میں اوس کو خزرج پر کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت اوس کا سردار حُضَيْدِ بْنِ سَبَاكٍ اَشْهَلِي تھا۔ یہ حضرت اُسَيْدُ کا والد تھا۔ خزرج کا سردار عَمْرُو بْنُ نَعْمَانَ بِيَاضِي تھا۔ یہ دونوں اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ اس جوان یہودی نے مسلمانوں میں بیٹھ کر وہی ذکر چھیڑا اور آگ بھڑکائی۔ اوس اور خزرج کے

سوئے ہوئے پرانے جذبات پھر بھڑک اٹھے اور وہ مشتعل ہو گئے۔ ان کے درمیان ٹوٹو میں شروع ہو گئی۔ وہ آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر فخر جتانے لگے۔ بات اس قدر بڑھ گئی کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی آمنے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور آپس میں تکرار کرنے لگے۔ مقابلہ بڑھ گیا۔ اوس کی طرف سے اوس بن قیظی تھے اور خزرج کی طرف سے جبّار بن صخر۔ بحث کے دوران ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہہ دیا کہ اگر تم چاہو تو ہم اس جنگ کو اب دوبارہ چھیڑ کر تازہ کر دیں۔ چنانچہ دونوں فریق غصہ میں آگئے اور بولے ہم تیار ہیں۔ اب ایک طرف مسلمان ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف یہ جہالت بھی ساتھ چل رہی ہے۔ اور پھر یہ کہنے لگے کہ تمہارے وعدے کی جگہ حرّہ ہے۔ مدینہ دو حروں کے درمیان ایک حرّہ ہے۔ حرّہ سیاہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور مشرق کی جانب حرّہ واقع ہے اور اس کو حرّہ بنو قریظہ بھی کہتے ہیں۔ دوسرا حرّہ الوبرّہ ہے جو مغرب کی جانب ہے۔ ایک مشرق کی جانب ایک مغرب کی جانب۔ دونوں (یعنی حرّہ الوبرّہ اور مدینہ) کے درمیان میں تین میل کا فاصلہ ہے۔ ساتھ ہی یہ شور برپا ہو گیا۔ ہتھیار! ہتھیار! اس کے بعد ماحول انتہائی گرم ہو گیا اور دونوں طرف سے زور و شور سے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دونوں قبیلوں کے لوگ وقت مقررہ پر حرّہ کی طرف نکل پڑے۔ قریب تھا کہ ایک خونریز جنگ شروع ہو جاتی لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ساری صورتحال کی اطلاع پہنچ گئی۔ خبر سنتے ہی آپ فوراً مہاجر صحابہ کو ساتھ لے کر اوس اور خزرج کے لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے نہایت حکیمانہ انداز میں ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ! اللہ! میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کی پکار؟ وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت نصیب فرمائی ہے۔ اس کے ذریعہ سے تمہیں عزت بخشی ہے۔ تم سے جاہلیت کے اثرات کا خاتمہ فرما دیا ہے۔ تمہیں کفر سے نجات دلائی ہے اور تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی ہے۔

ان چیزوں کے باوجود اب تم یہ جہالت کر رہے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گفتگو کا ان پر ایسا زبردست اثر ہوا کہ انہوں نے اپنے فعل پر سخت ندامت کا اظہار کیا اور رونا شروع کر دیا۔ اوس اور

خزرج کے لوگ جو ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے ایک دوسرے سے گلے ملے۔ پھر سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آ گئے۔ یہ سیرت ابن ہشام کی تفصیل ہے۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۳۸۵-۳۸۶ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۱ء)
(فرہنگ سیرت صفحہ 101-102 زوار اکیڈمی کراچی)

یہود کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی

کے بارے میں لکھا ہے کہ جب غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شاندار فتح عطا فرمائی تو ان لوگوں کی سرکشی کھل کر سامنے آ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے ان کا حسد ظاہر ہو گیا۔ اپنی اس جلن اور بغض کی وجہ سے انہوں نے اپنے معاہدے کو ختم کر دیا۔ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اے محمد! آپ خیال کرتے ہیں کہ ہم آپ کی قوم جیسے ہیں۔ آپ خود فریبی میں مبتلا نہ ہوں کہ آپ نے ایک ایسی قوم سے مقابلہ کیا جو جنگ سے اناڑی اور ناواقف ہے اور آپ کو ان پر غلبہ کا موقع مل گیا یعنی جنگ بدر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ مکہ کے کافروں کو تو آپ نے شکست دے دی ہم ایسے نہیں ہیں۔ ہم بہت بہادر ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر ہم نے آپ سے جنگ کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ مرد تو ہم ہیں اور

یہود کے تینوں قبائل میں سے جنہوں نے

سب سے پہلے معاہدے کی خلاف ورزی اور غداری کی وہ بنو قینقاع کے یہودی تھے۔ ان کی مسلمانوں کے ساتھ جو چھیڑ چھاڑ تھی اس شرارت کے بارے میں یہ ایک واقعہ بھی لکھا ہے کہ

جو ایک مسلمان عورت کا

ہے۔ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عداوت کے اظہار کے ساتھ ساتھ یہ واقعہ بھی ہوا کہ ایک انصاری کی بیوی اپنا تجارتی سامان لے کر بنو قینقاع کے بازار میں آئی جس میں اونٹ اور بکریاں وغیرہ تھیں تاکہ یہ مال فروخت کر کے نفع حاصل کرے۔ یہ مال اس نے بنو قینقاع کے بازار میں فروخت کیا اور اس کے بعد وہیں ایک یہودی سنار کے پاس بیٹھ گئی کوئی زیور وغیرہ لینے کے لیے۔ اس نے اپنے بدن اور چہرے کو چھپایا ہوا تھا۔ کچھ اوباش یہودیوں نے اس سے چہرہ ظاہر کرنے پر

اصرار کیا جس پر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر دکاندار سنار نے اٹھ کر اس کے نقاب کا ایک کونہ چپکے سے اس کی پشت کی طرف کسی چیز سے باندھ دیا یا ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ اس نے خاموشی سے اس کی چادر کا ایک سر ایک کانٹے یا کیل میں الجھا دیا۔ عورت کو اس بات کا پتہ نہ چل سکا۔ جب وہ عورت جانے کے لیے کھڑی ہوئی تو کپڑا الجھا ہوا ہونے کی وجہ سے کھل گیا اور اس کا ننگ ظاہر ہو گیا۔ اس پر یہودیوں نے قہقہے لگائے۔ عورت نے ان کی اس بیہودگی پر چیخنا شروع کر دیا۔ قریب ہی ایک مسلمان گزر رہا تھا اس نے جیسے ہی یہودیوں کی یہ شرارت دیکھی وہ یہودی سنار کی طرف جھپٹا اور تلوار سے اس کو قتل کر دیا۔ یہ دیکھ کر یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں میں بنو قینقاع کے یہودیوں کے خلاف سخت غم و غصہ پیدا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلوں کو فرمایا کہ اس قسم کی حرکتوں کے لیے ہمارا اور ان کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کہنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ اور اس کے رسولؐ اور مسلمانوں کا ساتھی ہوں اور ان کافروں کے معاہدے سے بری ہوتا ہوں۔ (السیرة الحلبيہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیة

بیروت، ۲۰۰۲ء) (سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۱۲ دارالکتب العلمیة ۲۰۰۱ء) بہر حال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے بجائے سمجھنے کے کھلی دھمکی دینی شروع کر دی۔

اس کی تفصیل یوں لکھی ہے کہ بنو قینقاع کو جمع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے گروہ یہود! اللہ سے ایسی تباہی نازل ہونے سے بچنے کی کوشش کرو جیسی بدر کے موقع پر قریش کے اوپر نازل ہوئی ہے۔ اس لیے مطیع و فرمانبردار بن جاؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں اور اس حقیقت کو تم اپنی کتاب میں درج پاتے ہو اور اس عہد کو بھی جو اللہ نے تم سے لیا تھا۔ انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی آپ کی قوم والوں کی طرح ہیں۔ اس دھوکہ میں نہ رہیے کیونکہ اب تک آپ کو ایسی ہی قوم سے واسطہ پڑا ہے جو جنگ اور اس کے طریق نہیں جانتے۔ لہذا آپ نے انہیں آسانی سے زیر کر لیا لیکن خدا کی قسم! اگر آپ نے ہم سے جنگ کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ کیسے بہادروں سے پالا پڑا ہے۔ ایک دوسری روایت میں

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غزوہ بدر کے موقع پر یہود کی بد عہدی کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بنو قینقاع کے بازار میں جمع کر کے یہ تنبیہ فرمائی تھی۔

بہر حال یہ تنبیہ کی تھی۔ اس پر ان کا یہ جواب تھا۔ اس کے بعد بنو قینقاع کے یہود وہاں سے جا کر قلعہ بند ہو گئے۔ یہ ساری باتیں ہوئیں تو وہ چلے گئے اور اپنے قلعہ میں چلے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف روانہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ آپ کا جھنڈا سفید رنگ کا تھا اور اسے آپ کے چچا حضرت حمزہؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ بنو قینقاع کا محاصرہ کیا گیا۔ اس کی تفصیل میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن تک بنو قینقاع کے یہودیوں کا سخت محاصرہ کیے رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ کے لیے شوال کی پندرہ تاریخ کو روانہ ہوئے اور ذوالقعدہ کے چاند تک وہیں رہے۔

(السیرة الحلبیة جلد ۲ صفحہ ۲۸۵، دارالکتب العلمیة بیروت، ۲۰۰۲ء)

(سبل الہدی والرشاد جلد ۲ صفحہ ۱۷۹، دارالکتب العلمیة بیروت، ۱۹۹۳ء)

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پیدا فرمادیا۔ بنو قینقاع کے ان یہودیوں میں چار سو جنگجو تھے جو قلعہ کی حفاظت پہ مامور تھے اور تین سوزرہ پوش تھے۔ آخر محاصرے سے تنگ آ کر یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارا راستہ چھوڑ دیں تو ہم مدینہ سے جلا وطن ہو کر ہمیشہ کے لیے چلے جائیں گے اور صرف ہماری عورتوں اور بچوں کو ہمارے لیے چھوڑ دیں جنہیں ہم اپنے ساتھ لے جائیں اور باقی مال و دولت آپ رکھ لیں اور مال میں ہتھیار وغیرہ بھی شامل ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی یہ بات قبول فرمائی اور انہیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ سیرت الحلبیہ میں اس طرح درج ہے۔

(ماخوذ از السیرة الحلبیة جلد ۲ صفحہ ۲۸۵ و ۲۸۷ مکتبہ دارالکتب العلمیة بیروت، ۲۰۰۲ء)

لیکن سیرت کی اکثر کتب میں یہ بھی لکھا ہے۔ عبد اللہ بن اُمی بن سلول کے حوالے سے یہ روایت ہے کہ اس موقع پر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار بار حاضر ہوا۔ وہ کیونکہ بنو قینقاع کا حلیف تھا اس لیے اس نے بار بار سفارش اور التجا کی اور مختلف طریقوں سے اس امر کا اظہار کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو قینقاع کو معاف کر دیں۔ ان کو قتل نہ کریں اور انہیں جانے دیں اور انہیں بخش دیں۔

(سبل الہدی والرشاد جلد ۲ صفحہ ۱۷۹-۱۸۰، دارالکتب العلمیة بیروت، ۱۹۹۳ء)

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۱۳ دارالکتب العلمیہ ۲۰۰۱ء)

(شرح الزرقانی علی البواہب اللدنیۃ جلد ۲ صفحہ ۵۱۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۶ء)

اس روایت سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا ارادہ فرمایا تھا اور یہ کہ عبد اللہ بن ابی کی مسلسل سفارش سے ان کو معاف کیا گیا تھا لیکن یہ درست نہیں ہے۔

کبھی آپ نے ان کی عورتوں، بچوں یا ان لوگوں کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا۔ درحقیقت اس طرح کی جو روایات ہیں وہ مشکوک ہیں۔ چنانچہ ایسی روایات پر محاکمہ کرتے ہوئے ایک مؤرخ سید برکات احمد ہیں۔ ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ یہود کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد جب عبد اللہ بن ابی حضور کی خدمت میں آیا اور بولا میرے آدمیوں کے لیے نرمی کا برتاؤ کیجئے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا ستیاناس ہو مجھے چھوڑ دے۔ ابن ابی نے جواب دیا ہرگز نہیں۔ واللہ! میں آپ کو جانے نہیں دوں گا جب تک آپ میرے آدمیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہیں کریں گے۔ کیا آپ ان کو تہ تیغ کر دیں گے۔ خدا کی قسم! مجھے پورا یقین ہے کہ حالات تبدیل ہو کر رہیں گے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھی بات ہے۔ تو تم ہی انہیں لے جاؤ۔ ابن اسحاق، واقدی اور ابن سعد تینوں اس قصہ کو بیان کرتے ہیں۔ ان تینوں کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عبد اللہ بن ابی کا کچھ اثر تھا لیکن خود عبد اللہ بن ابی کے سفارشی الفاظ مشتبہ معلوم ہوتے ہیں۔ ابن اسحاق کے بیان میں اس کا قطعاً ظہار نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات فرمائی ہو جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ آپ بنو قینقاع کو تہ تیغ کر دینے کا ارادہ کر چکے تھے۔ ایک مؤرخ سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا۔ واقدی کے ہاں اس ارادہ کی طرف اشارہ ضرور ملتا ہے اور اسی بات کو ابن سعد نے بھی دہرایا ہے لیکن اس موقع پر ہمیں یہ بات ذہن میں ضرور رکھنی چاہیے کہ

اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سیاسی راہنما بھی تھے لیکن دشمنوں کے ساتھ بے جا سختی کا معاملہ کبھی نہیں کرتے تھے۔ آپ تشدد کو ناپسند کرتے تھے اور میدان جنگ میں بھی اگر جاتے تو بوجہ مجبوری جاتے تھے اور وہاں بھی خواہ مخواہ خونریزی سے پرہیز کرتے تھے۔

(ماخوذ از رسول اکرم ﷺ اور یہود حجاز از سید برکات احمد صفحہ 98-99، مکتبہ عالیہ لاہور)

بہر حال محاصرہ تو ہوا تھا اور انہوں نے پناہ بھی مانگی تھی۔ اس لیے

بنو قینقاع کی جلا وطنی

بھی ہوئی۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ اس یہودی قبیلہ کی درخواست کے مطابق ان کو جلا وطن کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور یہود کو مدینہ سے جلا وطن کرنے کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کے سپرد فرمائی اور مدینہ سے تین دن میں نکل جانے کی مہلت دی۔ چنانچہ وہ تین دن میں مدینہ سے چلے گئے، نکل گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہود نے عبادہؓ سے مزید مہلت طلب کی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے ایک گھنٹے کی مزید مہلت نہیں دی اور اپنی نگرانی میں جلا وطن کیا۔ یہ لوگ یہاں سے نکل کر اذرعات کے علاقے میں چلے گئے جو شام کی طرف ایک شہر ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جلا وطن کرنے پر حضرت محمد بن مسلمہؓ کو مامور فرمایا تھا۔ عین ممکن ہے کہ دونوں کو یہ ذمہ داری سپرد کی ہو۔ بہر حال جب وہ لوگ چلے گئے تو یہود کے گھروں سے کافی ہتھیار ملے کیونکہ یہ دوسرے یہودیوں میں سے سب سے زیادہ مالدار اور سب سے زیادہ بہادر اور جنگجو لوگ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہتھیاروں میں سے اپنے لیے تین کمائیں، دو زرہیں، تین تلواریں اور تین نیزے منتخب فرمائے۔ کمائوں کے نام گتوم، روجاء اور بیضاء ہے۔ گتوم غزوہ احد میں ٹوٹ گئی تھی۔ دو زرہیں جن کے نام صغدیہ اور فصّہ ہیں۔ اسی طرح تین نیزے اور تین تلواریں منتخب فرمائیں۔ ایک تلوار کو قلعی دوسرے کو بتار کہا جاتا تھا۔ تیسری کا کوئی نام نہیں تھا۔ سیرت الحلبیہ کی یہ روایت ہے۔

(السیرة الحلبیة جلد دوم صفحہ ۲۸۷ مکتبہ دارالکتب العلمیة بیروت، ۲۰۰۲ء)

(معجم البلدان جلد ۱ صفحہ ۱۶۵، المکتبۃ العصمیة)

بنو قینقاع کے غزوے کا ذکر سیرت خاتم النبیین میں یوں ہے: ”جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تھے اس وقت مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے۔ ان کے نام بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آتے ہی ان قبائل کے ساتھ امن و امان کے معاہدے کر لئے اور آپس میں صلح اور امن کے ساتھ رہنے کی بنیاد ڈالی۔ معاہدہ کی رو سے فریقین اس بات کے ذمہ دار تھے کہ مدینہ میں امن و امان قائم رکھیں اور اگر کوئی بیرونی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں۔ شروع شروع میں تو یہود اس

معاهدہ کے پابند رہے اور کم از کم ظاہری طور پر انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی جھگڑا پیدا نہیں کیا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان مدینہ میں زیادہ اقتدار حاصل کرتے جاتے ہیں تو ان کے تیور بدلنے شروع ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کا تہیہ کر لیا اور اس غرض کے لئے انہوں نے ہر قسم کی جائز و ناجائز تدابیر اختیار کرنا شروع کیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے اس بات کی کوشش سے بھی دریغ نہیں کیا کہ مسلمانوں کے اندر پھوٹ پیدا کر کے خانہ جنگی شروع کر دیں۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ ایک موقع پر قبیلہ اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ اکٹھے بیٹھے ہوئے باہم محبت و اتفاق سے باتیں کر رہے تھے کہ بعض فتنہ پرداز یہود نے اس مجلس میں پہنچ کر جنگِ بُعث کا تذکرہ شروع کر دیا۔ یہ وہ خطرناک جنگ تھی جو ان دو قبائل کے درمیان ہجرت سے چند سال قبل ہوئی تھی اور جس میں اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ ایک دوسرے کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔“ جیسے پہلے بھی تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔ ”اس جنگ کا ذکر آتے ہی بعض جو شیلے لوگوں کے دلوں میں پرانی یاد تازہ ہو گئی اور گزشتہ عداوت کے منظر آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باہم نوک جھونک اور طعن و تشنیع سے گزر کر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اسی مجلس میں مسلمانوں کے اندر تلوار کھینچ گئی مگر خیر گزری کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بروقت اس کی اطلاع مل گئی اور آپؐ مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ فوراً موقع پر تشریف لے آئے اور فریقین کو سمجھا بچھا کر ٹھنڈا کیا اور پھر ملامت بھی فرمائی کہ تم میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کا طریق اختیار کرتے ہو اور خدا کی اس نعمت کی قدر نہیں کرتے کہ اس نے اسلام کے ذریعہ تمہیں بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ انصار پر آپؐ کی نصیحت کا ایسا اثر ہوا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ اپنی اس حرکت سے تائب ہو کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔

جب جنگِ بدر ہو چکی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو باوجود ان کی قلت اور بے سروسامانی کے قریش کے ایک بڑے جڑار لشکر پر نمایاں فتح دی اور مکہ کے بڑے بڑے عمائد خاک میں مل گئے تو مدینہ کے یہودیوں کی آتشِ حسد بھڑک اٹھی اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کھلم کھلا نوک جھونک شروع کر دی اور مجلسوں میں بر ملا طور پر کہنا شروع کیا کہ قریش کے لشکر کو شکست دینا کون سی بڑی بات تھی ہمارے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ ہو تو ہم بتادیں کہ کس طرح لڑا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک مجلس میں انہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر اسی قسم کے الفاظ کہے۔

چنانچہ روایت آتی ہے کہ جنگِ بدر کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے ایک دن یہودیوں کو جمع کر کے ان کو نصیحت فرمائی اور اپنا دعویٰ پیش کر کے اسلام کی طرف دعوت دی۔ آپ کی اس پُر امن اور ہمدردانہ تقریر کا رد سائے یہود نے ان الفاظ میں جواب دیا کہ ”اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم شاید چند قریش کو قتل کر کے مغرور ہو گئے ہو۔ وہ لوگ لڑائی کے فن سے ناواقف تھے۔ اگر ہمارے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو تو تمہیں پتہ لگ جاوے کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔“ یہود نے صرف عام دھمکی پر ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے بھی منصوبے شروع کر دیئے تھے کیونکہ روایت آتی ہے کہ جب ان دنوں میں طلحہ بن براء جو ایک مخلص صحابی تھے فوت ہونے لگے تو انہوں نے وصیت کی کہ اگر میں رات کو مروں تو نماز جنازہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ دی جاوے تا ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپ پر یہود کی طرف سے کوئی حادثہ گزر جاوے۔ الغرض جنگِ بدر کے بعد یہود نے کھلم کھلا شرارت شروع کر دی اور چونکہ مدینہ کے یہود میں بنو قینقاع سب میں زیادہ طاقتور اور بہادر تھے اس لئے سب سے پہلے انہی کی طرف سے عہد شکنی شروع ہوئی۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ...

مدینہ کے یہودیوں میں سے سب سے پہلے بنو قینقاع نے اس معاہدہ کو توڑا جو ان کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوا تھا اور بدر کے بعد انہوں نے بہت سرکشی شروع کر دی اور بر ملا طور پر بغض و حسد کا اظہار کیا اور عہد و پیمانہ کو توڑ دیا۔ مگر باوجود اس قسم کی باتوں کے مسلمانوں نے اپنے آقا کی ہدایت کے ماتحت ہر طرح سے صبر سے کام لیا اور اپنی طرف سے کوئی پیش دستی نہیں ہونے دی مگر حدیث میں آتا ہے کہ

اس معاہدہ کے بعد جو یہود کے ساتھ ہوا تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر یہود کی دلداری کا خیال رکھتے تھے۔“ ان کی طرف سے دشمنی کا رویہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دلداری کا رویہ۔ ”چنانچہ ایک دفعہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں کچھ اختلاف ہو گیا۔ یہودی نے حضرت موسیٰ کی تمام انبیاء پر فضیلت بیان کی۔ صحابی کو اس پر غصہ آیا اور اس نے یہودی کے ساتھ کچھ سختی کی اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو افضل الرسل بیان کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ ناراض ہوئے اور اس صحابی کو ملامت فرمائی اور کہا کہ ”تمہارا یہ کام نہیں کہ تم خدا کے رسولوں کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کرتے پھرو۔“ اور پھر آپ نے موسیٰ کی ایک جزوی فضیلت بیان کر کے اس یہودی کی دلداری فرمائی مگر باوجود اس دلدارانہ سلوک کے یہودی اپنی شرارت میں ترقی کرتے گئے اور بالآخر خود یہود کی طرف سے ہی جنگ کا باعث پیدا ہوا اور ان کی قلبی عداوت ان کے سینوں میں سما نہ سکی اور یہ اس طرح پر ہوا کہ ایک مسلمان خاتون بازار میں ایک یہودی کی دکان پر کچھ سودا خریدنے کے لئے گئی۔ ”جیسا کہ تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔“ بعض شریر یہودیوں نے جو اس وقت اس دکان پر بیٹھے ہوئے تھے اسے نہایت اوباشانہ طریق پر چھیڑا اور خود دکاندار نے یہ شرارت کی کہ اس عورت کے تہ بند کے نچلے کونے کو اس کی بے خبری کی حالت میں کسی کانٹے وغیرہ سے اس کی پیٹھ کے کپڑے سے ٹانک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ عورت ان کے اوباشانہ طریق کو دیکھ کر وہاں سے اٹھ کر لوٹنے لگی تو وہ ننگی ہو گئی۔ اس پر اس یہودی دکاندار اور اس کے ساتھیوں نے زور سے ایک قہقہہ لگایا اور ہنسنے لگ گئے۔ مسلمان خاتون نے شرم کے مارے ایک چیخ ماری اور مدد چاہی۔ اتفاق سے ایک مسلمان اس وقت قریب موجود تھا۔ وہ لپک کر موقع پر پہنچا اور باہم لڑائی میں یہودی دکاندار مارا گیا۔ جس پر چاروں طرف سے اس مسلمان پر تلوا ریں برس پڑیں اور وہ غیور مسلمان وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔ مسلمانوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو غیرت قومی سے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور دوسری طرف یہود جو اس واقعہ کو لڑائی کا بہانہ بنا نا چاہتے تھے ہجوم کر کے اکٹھے ہو گئے اور ایک بلوہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے رؤسائے بنو قینقاع کو جمع کر کے کہا کہ یہ طریق اچھا نہیں۔“ اب آپ کا طریقہ دیکھ لیں۔ کس طرح آپ نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ معاملہ ٹھنڈا ہو۔“ تم ان شرارتوں سے باز آ جاؤ اور خدا سے ڈرو۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ اظہار افسوس و ندامت کرتے اور معافی کے طالب بنتے سامنے سے نہایت متمردانہ جواب دیئے۔“ یعنی بڑی سرکشی اور نافرمانی والا جواب دیا ”اور پھر وہی دھمکی دہرائی کہ بدر کی فتح پر غرور نہ کرو۔ جب ہم سے مقابلہ ہو گا تو پتہ لگ جائے گا کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ ناچار آپ صحابہ کی ایک جمعیت کو ساتھ لے کر بنو قینقاع کے قلعوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب یہ آخری موقعہ تھا کہ وہ اپنے افعال پر پشیمان ہوتے۔“ جب آپ روانہ

ہوئے تب بھی معافی مانگ لیتے تو معاملہ ختم ہو جاتا۔ ”مگر وہ سامنے سے جنگ پر آمادہ تھے۔ الغرض جنگ کا اعلان ہو گیا اور اسلام اور یہودیت کی طاقتیں ایک دوسرے کے مقابل پر نکل آئیں۔ اس زمانہ کے دستور کے مطابق جنگ کا ایک طریق یہ بھی ہوتا تھا کہ اپنے قلعوں میں محفوظ ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور فریق مخالف قلعوں کا محاصرہ کر لیتا تھا اور موقعہ موقعہ پر گاہے گاہے ایک دوسرے کے خلاف حملے ہوتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ یا تو محاصرہ کرنے والی فوج قلعہ پر قبضہ کرنے سے مایوس ہو کر محاصرہ اٹھا لیتی تھی اور یہ محصورین کی فتح سمجھی جاتی تھی اور یا محصورین مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ کا دروازہ کھول کر اپنے آپ کو فاتحین کے سپرد کر دیتے تھے۔ اس موقعہ پر بھی بنو قینقاع نے یہی طریق اختیار کیا اور اپنے قلعوں میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا اور پندرہ دن تک برابر محاصرہ جاری رہا۔ بالآخر جب بنو قینقاع کا سارا زور اور غرور ٹوٹ گیا تو انہوں نے اس شرط پر اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیئے کہ ان کے اموال مسلمانوں کے ہو جائیں گے مگر ان کی جانوں اور ان کے اہل و عیال پر مسلمانوں کا کوئی حق نہیں ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو منظور فرمایا کیونکہ گو موسوی شریعت کی رو سے یہ سب لوگ واجب القتل تھے اور معاہدہ کی رو سے ان لوگوں پر موسوی شریعت کا فیصلہ ہی جاری ہونا چاہئے تھا مگر اس قوم کا یہ پہلا جرم تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیم و کریم طبیعت انتہائی سزا کی طرف جو ایک آخری علاج ہوتا ہے ابتدائی قدم پر مائل نہیں ہو سکتی تھی لیکن دوسری طرف ایسے بدعہد اور معاند قبیلہ کلدینہ میں رہنا بھی ایک مار آستین کے پالنے سے کم نہ تھا۔ خصوصاً جب اوس اور خزرج کا ایک منافق گروہ پہلے سے مدینہ میں موجود تھا اور بیرونی جانب سے بھی تمام عرب کی مخالفت نے مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فیصلہ ہو سکتا تھا کہ بنو قینقاع مدینہ سے چلے جائیں۔ یہ سزا ان کے جرم کے مقابل میں اور نیز اس زمانہ کے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک بہت نرم سزا تھی اور دراصل اس میں صرف خود حفاظتی کا پہلو ہی مد نظر تھا۔ ورنہ عرب کی خانہ بدوش اقوام کے نزدیک نقل مکان کوئی بڑی بات نہ تھی۔ خصوصاً جبکہ کسی قبیلہ کی جائیدادیں زمینوں اور باغات کی صورت میں نہ ہوں جیسا کہ بنو قینقاع کی نہیں تھیں۔“ کوئی ان کی جائیدادیں ایسی نہیں تھیں جو غیر منقولہ ہوں۔ زمینیں یا اس قسم کی جائیدادیں جن پر ان کا انحصار ہو۔“ اور پھر سارے کے سارے قبیلہ کو بڑے امن و امان کے ساتھ ایک جگہ چھوڑ کر

دوسری جگہ جا کر آباد ہونے کا موقع مل جاوے۔ چنانچہ بنو قینقاع بڑے اطمینان کے ساتھ مدینہ چھوڑ کر شام کی طرف چلے گئے۔ ان کی روانگی کے متعلق ضروری اہتمام اور نگرانی وغیرہ کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی عبادہ بن صامتؓ کے سپرد فرمایا تھا جو ان کے حلفاء میں سے تھے۔ ”یہ ان کے یعنی بنو قینقاع کے حلیف تھے۔“ چنانچہ عبادہ بن صامتؓ چند منزل تک بنو قینقاع کے ساتھ گئے اور پھر انہیں حفاظت کے ساتھ آگے روانہ کر کے واپس لوٹ آئے۔ مالِ غنیمت جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا وہ صرف آلاتِ حرب اور آلاتِ پیشہ زرگری پر مشتمل تھا۔

بنو قینقاع کے متعلق بعض روایتوں میں ذکر آتا ہے کہ جب ان لوگوں نے اپنے قلعوں کے دروازے کھول کر اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا تو ان کی بدعہدی اور بغاوت اور شرارتوں کی وجہ سے آپ کا ارادہ ان کے جنگجو مردوں کو قتل کروادینے کا تھا مگر عبد اللہ بن اُمی بن سلول رئیس منافقین کی سفارش پر آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا لیکن محققین نے ان روایات کو صحیح تسلیم نہیں کیا کیونکہ جب دوسری روایات میں یہ صریحاً مذکور ہے کہ بنو قینقاع نے اس شرط پر دروازے کھولے تھے کہ ان کی اور ان کے اہل و عیال کی جان بخشی کی جائے گی تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شرط کو قبول کر لینے کے بعد دوسرا طریق اختیار فرماتے، اور اس شرط کو توڑ دیتے۔ ”البتہ بنو قینقاع کی طرف سے جان بخشی کی شرط کا پیش ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ خود ہی سمجھتے تھے کہ ان کی اصل سزا قتل ہی ہے مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رحم کے طالب تھے اور یہ وعدہ لینے کے بعد اپنے قلعے کا دروازہ کھولنا چاہتے تھے کہ ان کو قتل کی سزا نہیں دی جاوے گی لیکن گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحیم النفسی سے انہیں معاف کر دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں یہ لوگ اپنی بد اعمالی اور جرائم کی وجہ سے اب دنیا کے پردے پر زندہ چھوڑے جانے کے قابل نہیں تھے۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ جس جگہ یہ لوگ جلاوطن ہو کر گئے تھے وہاں انہیں ابھی ایک سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ ان میں کوئی ایسی بیماری وغیرہ پڑی کہ سارے کا سارا قبیلہ اس کا شکار ہو کر پیوند خاک ہو گیا۔

غزوہ بنو قینقاع کی تاریخ کے متعلق

کسی قدر اختلاف ہے۔ واقدی اور ابن سعد نے شوال دو ہجری بیان کی ہے اور متاخرین نے ”بعد میں آنے والے مؤرخین نے ”زیادہ تر اسی کی اتباع کی ہے۔ لیکن ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اسے غزوہ سَویق کے بعد رکھا ہے جو مسلمہ طور پر ماہ ذی الحجہ دو ہجری کے شروع میں ہوا تھا اور حدیث کی ایک روایت میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ غزوہ بنو قینقاع حضرت فاطمہؓ کے رخصتانہ کے بعد ہوا تھا کیونکہ اس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے ولیمہ کی دعوت کا خرچ مہیا کرنے کے لئے یہ تجویز کی تھی کہ بنو قینقاع کے ایک یہودی زرگر کو ساتھ لے کر جنگل میں جائیں اور وہاں سے اذخر گھاس لا کر مدینہ کے زرگروں کے پاس فروخت کریں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے رخصتانہ کے وقت جو عام مؤرخین کے نزدیک ذوالحجہ دو ہجری میں ہوا تھا ابھی تک بنو قینقاع مدینہ میں ہی تھے۔ ان وجوہات کی بناء پر ”حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؒ کہتے ہیں کہ ”میں نے غزوہ بنو قینقاع کو غزوہ سَویق اور حضرت فاطمہؓ کے رخصتانہ کے بعد اواخر 2 ہجری میں رکھا ہے۔

... اس موقع پر یہ ذکر بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ غزوہ بنو قینقاع کا سبب بیان کرتے ہوئے مسٹر مارگو لیس نے اپنی طرف سے ایک عجیب و غریب بات بنا کر لکھی ہے جس کا قطعاً کسی روایت میں اشارہ تک نہیں آتا۔ بخاری میں ایک روایت آتی ہے کہ حضرت حمزہؓ نے شراب کے نشہ میں (اس وقت تک ابھی شراب حرام نہیں ہوئی تھی) حضرت علیؓ کے وہ اونٹ مار دیئے تھے جو انہیں جنگ بدر کی غنیمت میں حاصل ہوئے تھے۔ اس منفرد واقعہ کو بغیر کسی قسم کی تاریخی سند کے غزوہ بنو قینقاع کے ساتھ جوڑ کر مسٹر مارگو لیس رقمطراز ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو قینقاع پر اس غرض سے چڑھائی کی تھی کہ تا اس کی غنیمت سے حضرت علیؓ کے اس نقصان کی تلافی کریں۔ ”کوئی بے تکی بات جوڑی ہے۔

”تاریخ نویسی میں یہ جرأت غالباً اپنی مثال آپ ہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ مسٹر مارگو لیس اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ میں نے یہ بات اپنی طرف سے قیاس کر کے زائد کی ہے۔“

(سیرت خاتم النبیین از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؒ ایم اے صفحہ 457 تا 462)

حوالے تو کوئی نہیں ملے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس لیے اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ دو اونٹوں کی قیمت کے لیے ایک قبیلے سے پوری جنگ کی جائے۔ عجیب سوچیں ہیں ان کی۔ مستشرقین یا غیر مسلم تاریخ دان جو ہیں مسلمانوں کے بغض اور عداوت میں اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا ان

کے لیے بڑا آسان ہے اور یہ اکثر جگہ نظر آتا ہے۔ بہر حال اس ضمن میں باقی باتیں ان شاء اللہ آئندہ۔
 آج کل دنیا کے جو حالات ہیں میں دعا کے لیے ان کی یاد دہانی دوبارہ کروادوں۔
 حماس اور اسرائیل کی جنگ اور اس کے نتیجے میں معصوم فلسطینی عورتوں اور بچوں کی شہادتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔

جنگ کے حالات جس تیزی سے شدت اختیار کر رہے ہیں اور اسرائیل کی حکومت اور بڑی طاقتیں جس پالیسی پر عمل کرتی نظر آرہی ہیں اس سے تو عالمی جنگ اب سامنے کھڑی نظر آرہی ہے۔

اور اب تو بعض مسلمان ملکوں کے سربراہوں نے بھی کھل کے یہ کہنا شروع کر دیا ہے۔ روس، چین نے بھی اور اسی طرح مغربی تجزیہ نگاروں نے بھی یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے کہ اب جنگ کا یہ دائرہ وسیع ہوتا نظر آرہا ہے۔

اگر فوری حکمت والی پالیسی اختیار نہ کی گئی تو دنیا کی تباہی ہے۔

سب کچھ خبروں میں آرہا ہے۔ آپ سب کے سامنے صورتحال ہے۔ اس لیے احمدیوں کو دعاؤں کی طرف خاص توجہ دینی چاہیے۔ relax نہ ہو جائیں۔ کم از کم ہر نماز میں ایک سجدہ یا کم از کم کسی ایک نماز میں ایک سجدہ تو ضرور اس کے لیے ادا کرنا چاہیے۔ اس میں دعا کرنی چاہیے۔

مغربی دنیا کا تو کسی بھی ملک کا سربراہ ہو وہ اس معاملے میں انصاف سے کام لینا نہیں چاہتا۔ نہ اس بارے میں کچھ کہنے کی جرأت رکھتا ہے۔ احمدی ان بحثوں میں نہ پڑیں کہ کس ملک کا وزیر اعظم یا سربراہ اچھا ہے اور کس کا اچھا نہیں اور اس کو یہ نہیں کہنا چاہیے۔ مسلمانوں کو اس کے خلاف نہیں بولنا چاہیے۔ یہ سب فضول باتیں ہیں۔

جب تک کوئی جرأت سے جنگ بندی کی کوشش نہیں کرتا وہ بہر حال دنیا کو تباہی کی طرف لے جانے کا ذمہ دار ہے۔

پس اپنے ماحول میں دعاؤں کے ساتھ اس بات کو پھیلانے کی کوشش کریں کہ ظلم کو روکو۔ اگر کسی احمدی کے کسی سے تعلقات ہیں تو اسے سمجھائیں۔ یہی جرأت ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کا معیار ہے۔ اسرائیلی حکومت کے نمائندے کہتے ہیں کہ حماس نے ہمارے معصوموں کو مارا، ہم بدلہ لیں گے اور یہ بدلہ اب تمام حدیں پار کر گیا ہے۔ جتنا اسرائیلی جانوں کو نقصان ہوا ہے جو بیان کی جاتی ہیں اس سے چار پانچ گنا زیادہ فلسطینی جانوں کا نقصان ہو چکا ہے۔

اگر ان کا حماس کو ختم کرنے کا ٹارگٹ ہے جیسے یہ کہتے ہیں تو پھر ان سے دُوبدو جنگ

کریں۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو کیوں نشانہ بنا رہے ہیں؟

پھر پانی، خوراک، علاج سب سے ان لوگوں کو محروم کر دیا ہے۔ حقوقِ انسانی اور جنگوں کے اصول کے ان حکومتوں کے تمام دعوے یہاں آ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ ہاں بعض اس طرف توجہ بھی دلاتے ہیں جیسے گذشتہ دنوں امریکہ کے سابق صدر اوباما نے کہا تھا کہ

جنگ اگر کرنی بھی ہے تو جنگی اصولوں کو سامنے رکھنا چاہیے۔ سویلین پر ظلم نہیں ہونا چاہیے۔

یو این (UN) کے سیکرٹری جنرل صاحب بھی بولے تھے۔ اس پر اسرائیلی حکومت نے شور مچا دیا۔ تو باقی دنیا کے امن کے دعویداروں نے جو اپنے آپ کو سب سے بڑا امن کو قائم کرنے والا سمجھتے ہیں یا چیئرمین سمجھتے ہیں سیکرٹری جنرل کے بیان کی تائید میں کچھ نہیں بولے بلکہ انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ بہر حال

حالات خطرناک ہیں اور خطرناک تر ہوتے جا رہے ہیں۔

مغربی میڈیا ایک طرف کی خبریں تو بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور دوسری طرف کی ایک کونے میں چھوٹی سی خبر۔ جیسے گذشتہ دنوں رہائی پانے والی جو عورتیں تھیں ان میں سے ایک عورت نے کہا کہ مجھ سے قید میں بہتر سلوک ہوا۔ اس کی خبر تو ایک کونے میں چلی گئی اور جو یہ بیان ہے کہ حماس کی قید جہنم تھی اسے مستقل بڑی خبر کا حصہ بنا کے پیش کیا جاتا ہے۔

انصاف تو یہ ہے کہ سب صورتحال سامنے رکھی جائے پھر دنیا کو اپنا فیصلہ کرنے دیں کہ کون

ظالم ہے، کون مظلوم ہے اور کس حد تک یہ جنگ جائز ہے اور کہاں جا کے یہ ختم ہونی

چاہیے۔

دنیا کے سامنے ساری صورتحال آنی چاہیے نہ کہ ایک طرفہ رائے۔ بہر حال ہمیں دعاؤں کی طرف بہت توجہ دینی چاہیے۔ ظلم کو ختم کرنے کے لئے اپنے دائرے میں کوشش بھی کرنی چاہیے اور دعا بھی۔

مسلمان مظلوموں کے لیے بھی اور مسلمان حکومتوں کو ایک جامع اور دیرپا منصوبہ بندی کے لیے بھی دعا کرنی چاہیے۔

مسلمانوں کی مشکلات دُور ہونے کے لیے ہمیں خاص درد رکھنا چاہیے۔ ہم تو اس مسیح موعودؑ کے ماننے والے ہیں جس نے مسلمانوں کے لیے باوجود اس کے کہ ہمیں ان سے تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں

اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا کہ

”اے دل تو نیز خاطر اینان نگاہ دار
کاخر کنند دعویٰ حب پیغمبرؐ“

(ازالہ اوبام حصہ اول، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 182)

اے دل! تو ان لوگوں کا لحاظ رکھ۔ آخر وہ میرے پیغمبرؐ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا ہے کہ ہم مسلمانوں کے لیے بہت دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بھی دے اور مسلمانوں کو بھی اور دنیا کو عقل بھی دے۔

(روزنامہ الفضل انٹرنیشنل 17 نومبر 2023ء صفحہ 7 تا 2)